(غلام گردش)

## پچیس ڈالر

اقبال تھیبا ایک کامیاب اداکار ہے۔ لاہور، کراچی یا بمبئی میں نہیں۔ بلکہ وہاں اپنے خواب پورے کر رہا ہے جو دنیا کی تمام فلموں کا گھڑھ ہے۔ یعنی ہالی وڈ۔ ہالی وڈ ایک ایسا سنہرا شہر ہے جہاں کرہِ ارض کے بیش قیمت ترین گھر موجود ہیں۔ امریکہ میں واقع ان گھروں کا تصور کم از کم ہمارے ملک میں نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال تھیبا اسی ہن برسنے والے شہر میں اداکاری کا لوہا منوانے میں کامیاب ہوا ہے۔ کراچی میں پیدا ہونے والا نوجوان جب تعلیم حاصل کرنے کیلئے اوکلوہوما یونیورسٹی گیا، تو تعمیراتی شعبہ سے منسلک تھا۔ ہمارے اداروں میں تو خیر اسکا تصور ہی نہیں ہے کہ عمارتوں کی تعمیر بھی ایک سائنسی مضمون ہے اور دنیا کی بہترین جامعات اس شعبہ میں ڈگری دیتی ہیں۔ تعلیم کے دوران اقبال نے ایک معمولی سی کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔ سارا سارا دن حفاظتی ٹوپی پہن کر تعمیر ہونے والے ڈھانچہ کے قریب کھڑا رہتا تھا۔ مزدوروں اور سپروائزروں سے صحیح کام کروانے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر ایک دم اندازہ ہوا کہ اس شعبہ میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اندر کی آواز کہتی تھی کہ اداکاری کرنی چاہیے۔ درمیانی شکل وصورت کا نوجوان کسی ایسی خوبی کا مالک نہیں تھا کہ کوئی بھی اسکی طرف متوجہ ہو۔ جب اقبال نے اپنے قریبی دوستوں سے ذکر کیا کہ ایکٹر بننا چاہتا ہے، تو سب یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے۔ کچھ یاروں نے تو اسے کہا کہ یہ صریحاً پاگل پن ہے۔ خیر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اقبال اپنی روح کی آواز کے سامنے بے بس ہو چکا تھا۔ مگر زمینی حقائق اور معاشی تنگ دستی اسکے خوابوں کو کوڑے مارتے تھے۔ ٹھٹھہ اُڑاتے تھے۔

اقبال کے اندر یہ کشمکش اس حد تک بڑھ گئی کہ کمپنی میں کام کرنا چھوڑ دیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ اب کیا کرے۔ یونیورسٹی کے نزدیک ایک ہوٹل تھا۔ وہاں برتن دھونے کیلئے ایک ملازم کی ضرورت تھی۔ تھیبا نے وہاں نوکری کر لی۔ بڑے عرصے تک برتن دھوتا رہا۔ یونیورسٹی چھوڑ چکا تھا۔ کام اور لگن دیکھ کر ہوٹل کے مالک نے ترقی دیدی۔ ترقی بھی معمولی نوعیت کی تھی۔ اقبال کو باورچی بنا دیا گیا۔ اسی دوران، اوکلوہامہ یونیورسٹی میں تھیٹر کیلئے اداکاروں کی آڈیشن ہوئی۔ تیرہ لوگ قسمت آزمانے کیلئے آئے۔ تھیبا بھی خواب کی تعبیر کیلئے وہاں پہنچ گیا۔ سنجیدہ ماحول میں ساری کاروائی ہوئی۔ ڈائریکٹر نے فیصلہ کیا کہ اقبال اداکاری نہیں کر سکتا۔ اسے منتخب نہیں کیا گیا۔ نوجوان کیلئے قیامت کی گھڑی تھی۔ عملاً باورچی اور حقیقت میں اداکاری سے ہزاروں نوری سال دور۔ یہ برداشت کرنا بہت مشکل ہو گیا۔ بلکہ ناممکن سا نظر آنے لگا۔ دل برداشتہ ہو کر نیویارک چلا گیا۔ سن رکھا تھا کہ وہاں شاندار تھیٹر ہیں جنہیں نئے اداکاروں کی ہر دم ضرورت رہتی ہے۔ اسکے پاس معمولی سی جمع پونجی تھی، جو نیویارک جیسے شہر میں ناکافی تھی۔ نیویارک بھی ایک غیر معمولی شہر ہے۔ خوبی یہ ہے کہ یہ غریب کو بھی کھانا مہیا کرتا ہے اور امیر ترین شخص کو بھی دنیا کی ہر نعمت۔ یہاں کئی ایسے ہوٹل ہیں جن میں کمرے کا یومیہ کرایہ بارہ لاکھ سے تیس لاکھ روپے تک ہے اور یہاں ایسے امریکی ڈھابے بھی ہیں جہاں چند روپوں میں انسان پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے۔ غریب آدمی کے سونے کیلئے کئی ایسے کونے کھدرے ہیں جہاں سینکڑوں انسان کم از کم سانس لیتے ہوئے سو سکتے ہیں۔ لکڑی کے ڈبوں اور پھٹے پرانے کپڑوں سے آراستہ یہ جگہیں سالہا سال سے موجود ہیں۔ خیر اقبال تھیبا نے وہاں مزدوری کرنی شروع کر دی۔ ہوٹلوں میں ٹیبلیں صاف کرنے

کا کام شروع کر دیا۔ روز فارغ ہو کر کسی نہ کسی تھیٹر میں اداکاری کا کام تلاش کرنے چلا جاتا تھا۔ مگر کسی جگہ بھی دھکوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ چند چھوٹے چھوٹے رول ضرور ملے مگر مالکان نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔ یہ اسکی زندگی کے وہ دن تھے جس میں ذلت اور بے کاری اسکی دہلیز کے سامنے مستقل ڈیرے ڈال چکی تھی۔

اقبال واپس اوکلاہامہ یونیورسٹی چلا گیا۔ وہاں قرضہ لیکر اداکاری کے شعبہ میں داخلہ لے لیا۔ کورس مکمل کرنے تک قرض میں مکمل طور پر غرق ہو چکا تھا۔ کوئی بھی اسے ایک ڈالر دینے کیلئے تیار نہیں تھا۔ مگر تھیبا لڑنا جانتا تھا۔ مصائب اور مشکلات اسے رُلاتے ضرور تھے مگر اسکی روح کی آواز تھی کہ ایک عظیم اداکار بن سکتا ہے۔ حالات اس درجہ دگرگوں ہو گئے کہ اوکلوہامہ سے نکلنا پڑا۔ تھیبا نے ایک انتہائی مشکل فیصلہ کیا۔ شدید غربت کی حالت میں ہالی وڈ چلا گیا۔ یہ سفر اس نے کس مشکل سے طے کیا تھا، یہ صرف اور صرف وہی جانتا تھا۔ جب ہالی وڈ میں داخل ہوا تو اسکے پاس محض پچیس ڈالر تھے۔ یعنی پاکستانی روپوں میں تقریباً چار ہزار روپے۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ہالی وڈ میں اس بے سہارا انسان کو وہ پذیرائی ملے گی کہ بذات خود حیران ہو جائینگے۔ مختلف فلم سٹوڈیو کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ وہاں اسے کسی بڑی فلم میں تو کام نہ مل سکا۔ مگر اسے ٹی وی اشتہارات کیلئے چن لیا گیا۔ قلیل عرصے میں درجن سے زیادہ اشتہارات میں کام کیا اور کامیابی اور محنت سے اپنا لوہا منوایا۔ شوٹنگ پر پیدل پہنچتا تھا۔ بلکہ وقت سے پہلے پہنچ جاتا تھا۔ ان اشتہارات کے معاوضے کی بدولت کم از کم اس سطح پر پہنچ چکا تھا کہ اپنے اخراجات آرام سے پورے کر لے۔ 1993 میں اسے ایک ٹی وی سیریز "Death and Taxes" میں بہت اچھا رول مل گیا۔ جو ہر دیکھ کر ڈائریکٹر نے محسوس کیا کہ وہ کمال کا کام کرتا ہے۔ اسے بے تحاشہ ڈرامہ سیریل ملنے شروع ہو گئے۔ جس میں "Everybody loves Raymond, Friends" جیسے بین الاقوامی شہرت کے ڈرامے بھی تھے۔ اب قسمت اسکے ساتھ تھی۔ اقبال کو فلموں میں بھی بہترین کردار ملنے شروع ہو گئے۔ جن میں Indecent Proposal اور Basket Ball جیسی بہترین فلمیں بھی شامل تھی۔ مگر اسکا آفاقی رول ایک ٹی وی سیریل "Glee" میں نمودار ہوا جس میں ایک پرنسپل کا کردار ملا۔ یہ اس درجہ کامیاب ہوا کہ 58 دورانیے تشکیل دیے گئے۔ اب اقبال تھیبا دنیا کے بہترین اداکروں میں شمار ہوتا ہے۔

اقبال تھیبا کی سچی داستان شائد بے محل لگے۔ ذہن میں یہ سوال بھی آئیگا کہ اسکی زندگی کا ہمارے نوجوان بچوں اور بچیوں سے کیا تعلق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپکا سوال درست ہو۔ مگر سوال کا جواب جو آپکے ذہن میں ہو۔ اقبال تھیبا کی زندگی سے کشید کردہ جواب اس سے بالکل متضاد ہوسکتا ہے۔ ہمارے ملک میں اکثر نوجوان صرف خواب دیکھتے ہیں۔ اسکی تعبیر کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ہر ادنیٰ چیز قبول کر لیتے ہیں۔ سرکاری شعبہ کو دیکھیے۔ پڑھے لکھے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں خواب دیکھتے ہیں کہ وہ سی۔ ایس۔ ایس کر کے اعلیٰ عہدہ حاصل کر لیں۔ یہ حاصل ہو بھی جاتا ہے۔ مگر انہیں قطعاً شعور نہیں ہوتا کہ انتہائی کم تنخواہ میں کیسے گزارا کرینگے۔ پھر عملیت پسند عود کر آتی ہے۔ بیشتر سرکاری ملازمین، مقتدر طبقے کے ساتھ ملکر لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ ڈری ڈری سی زندگی گزارتے ہیں۔ حکومت چلے جانے سے طاقت ترین بیوروکریت چوہے بن جاتے ہیں اور کسی نہ کسی پنجرے میں پھنس جاتے ہیں۔ وجہ صرف یہ کہ ان میں ہمت نہیں ہوتی کہ اپنے خوابوں کے حصول کیلئے جنونیوں کی طرح محنت کریں۔ وسائل پیدا کریں اور رزق میں جائز کشادگی لائیں۔ جن افسروں نے

خوابوں کے حصول کیلئے لگی بندھی زندگی کو چھوڑا۔ رسک لیا، وہ صرف کامیاب نہیں ہوئے بلکہ ایک مثال بن گئے۔ ہنڈا کمپنی کے مالک شیرازی نے جب انکم ٹیکس افسر کی نوکری چھوڑی، تو دفتر ایک کمرے کا تھا۔ اسے جنون تھا کہ پاکستان میں گاڑیاں بنائیگا۔ آج ملک کے امیر ترین لوگوں میں ہے۔ اسکے ساتھی جو سرکاری زندگی میں جتے رہے، چند سکے کما کر گوشہ گمنامی میں جا چکے ہیں۔ شیرازی کے خیالات اقبال تھیبا کی طرح کے تھے۔ انہیں حاصل کرنے کیلئے جدوجہد بھی کی اور سول سروس سے بغاوت بھی کی۔ نتیجہ آپکے سامنے ہے۔ خیر سی۔ ایس۔ ایس کو چھوڑ دیجئے۔ پولیس میں کانسٹیبل بھرتی کیلئے ہزاروں نوجوان درخواست دیتے ہیں۔ گھاس پر بیٹھ کر امتحان دیتے ہیں۔ میڈیکل ٹیسٹ پاس کرنے کیلئے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ افسروں اور سیاستدانوں سے سفارش کرواتے ہیں۔ رشوت دیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ بس جیسے ہی پولیس کانسٹیبل بھرتی ہونگے دنیا کے سکندر بن جائینگے۔ مگر دس برس بعد یہ نوجوان ذہنی طور پر شکست خوردہ اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ ایسے ایسے مصائب جھیلتے ہیں، جسکو بیان کرنا بھی مشکل ہے۔ وجہ کیا، اکثریت اپنے لیے محنت کا وہ راستہ نہیں اپناتے جو اقبال تھیبا نے اپنایا تھا۔ مثال دے رہا ہوں۔ اگر ایک نوجوان روغنی نان ہی بہترین طریقے سے لگانا شروع کر دے، اسے اپنے کام پر حد درجہ عبور ہو تو روزانہ ہزاروں روپے کما سکتا ہے۔ اسے بھی چھوڑ دیجئے۔ یہاں تک عرض کرونگا کہ اگر قسمت کا دروازہ اس ملک میں نہیں کھلتا تو بغیر تردد کے ملک چھوڑ دیجئے۔ وہ کام کریں جو قران اور سیرت میں حکم ہے۔ یعنی ہجرت۔ مجبور اور بے کس زندگی گزارنے سے بہت بہتر ہے کہ نئی زمین اور نئے آسمان میں قسمت آزمائی کی جائے۔ اپنے ملک سے محبت کا یہ مطلب نہیں کہ اس غیر منصفانہ نظام میں رحم کی بھیک مانگتے رہیں۔ اپنے خواب بچائیں اور ان علاقوں میں جائیں جہاں اپنی صلاحیت کا بھرپور استعمال کر سکتے ہیں۔ کامیابی حاصل کرنے کا صرف ایک طریقہ یا فارمالا نہیں ہے۔ ہر انسان کی قسمت الگ الگ ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ میں ہی ہوتی ہے۔ اگر شیرازی، زمین سے اُٹھ کر پاکستان کی بہترین گاڑی بنا سکتا ہے۔ اگر اقبال صرف پنتیس ڈالر جیب میں ڈال کر ہالی وڈ کا کامیاب ترین اداکار بن سکتا ہے تو آپکو کس معجزہ کا انتظار ہے۔ آگے بڑھیے۔ پنتیس ڈالر سے کروڑ پتی بننا قطعاً ناممکن نہیں ہے۔ اپنے خواب پورے کیجئے۔ ہر قیمت پر۔

راؤ منظر حیات